© rasailojaraid.com

والے (Depth Psycologists) کہا جاتا ہے۔

غیر شعوری دماغ کیا ہے؟ یہ غیر شعوری دماغ ہے کیا؟ مختصر لفظوں میں اس کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ نتیجہ ہوتا ہے ذاتی اور نسلی تجربات کا تفصیل یہ ہے کہ ہم کو اپنی زندگی میں مختلف اور متضاد حوادث اور واقعات سے سابقہ پڑتا ہے اور اس سابقہ کی وجہ سے ہمارے ذہن و دماغ پر مختلف قسم کی کیفیتیں اور صورتیں طاری ہوتی ہیں جن سے کبھی مسرت حاصل ہوتی ہے اور کبھی غم۔ کبھی خوف اور ڈر پیدا ہوتا ہے اور کبھی امید اور حوصلہ کبھی کسی چیز کو پسند کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے اور کبھی ہم دل میں اُس سے نفرت اور کبیدگی محسوس کرتے ہیں۔ جب یہ واقعہ گذر جاتا ہے تو عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ کے باعث جو کیفیت یا جو تاثر پیدا ہوا تھا وہ بھی گذر گیا اور ختم ہو گیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

روزمرہ کے مشاہدات اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ مختلف تجربات سے انسانی ذہن و دماغ پر جو کیفیات پیدا ہوتی رہتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک کیفیت تو وہ ہے جس کا تعلق دماغ کے شعوری حصہ سے ہے۔ یعنی وہ شخص اُس کیفیت کا شعور رکھتا ہے۔ اسے اُس کا ادراک حاصل ہے اور وہ کیفیت اُس کی قوتِ حافظہ یا حسِ مشترک کے خزانہ میں پہونچ کر محفوظ ہو گئی ہے اور دوسری قسم کیفیت کی وہ ہے جس کا شعور خود صاحبِ کیفیت کو نہیں ہوتا وہ یہ سمجھتا ہے کہ واقعہ کی وجہ سے جو تاثر اُس پر پیدا ہوا تھا۔ واقعہ کے ساتھ وہ بھی ختم ہو گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تاثر ختم نہیں ہوتا آخر لمحہ حیات تک باقی رہتا ہے۔ اور زندگی کے مختلف شئون و احوال پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں ایک دو نہیں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

کچھ دن ہوئے میرے ایک فاضل دوست نے جو خود نفسیات کے فاضل اور ڈاکٹر ہیں اور جو گذشتہ جنگ میں مختلف مقاماتِ جنگ پر رہ آئے ہیں بتایا کہ جب کبھی انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ کہیں آگ لگ گئی ہے تو انہیں بڑا خوف محسوس ہوتا تھا، اس پر وہ خود حیران تھے کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ آتش زدگی سے بھی زیادہ ہولناک اور سنگین واقعات ہو جاتے تھے مگر انہیں کوئی تاثر نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ انہوں نے خود تحلیلِ نفسی (Psycoanalysis) کیا تو معلوم ہوا کہ بچپن میں ایک دفعہ اُن کے مکان کے پڑوس میں ایک سینما ہاؤس میں زبردست آگ لگ گئی تھی اور اس کی وجہ سے تمام گھر والوں کو سخت پریشانی اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا

زمانۂ حال کے ایک فاضلِ نفسیات پروفیسر میتھو (A.V. Matthew) لکھتے ہیں "جو کچھ ہم نے کیا ہے یا جو کچھ زمانۂ ماضی میں ہم پر گذر رہا ہے ہم اُسے یاد نہیں رکھتے. لیکن بہرحال ہم جو کچھ بھی ہیں وہ نتیجہ ہے ہمارے تمام گذشتہ تجربات کا. بسا اوقات ہم اپنے پچھلے تجربات کو اس طرح فراموش کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی انہیں ہم کو یاد بھی دلاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ ہم اُن کو یاد ہی نہیں کرتے بلکہ ہم پوری قوت سے اُن کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ہمیں پیش نہیں آیا۔ اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ یہی وہ فراموش کردہ تجربات ہیں جنہوں نے ہم کو آج وہ بنایا ہے جو ہم نظر آتے ہیں اور یہی وہ بھلائے ہوئے تجربات ہیں جو ہمارے اپنے ذاتی غیر شعوری دماغ کی تشکیل کرتے ہیں"۔[1]

یہ بھلائے ہوئے تجربات علمائے نفسیات کی خاص اصطلاح میں دو قسم کے ہوتے ہیں جن میں سے ایک کو وہ (Repressed thoughts) کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو (Suppressed thoughts)۔ اردو میں ان دونوں کا ترجمہ دبائے ہوئے یا روکے ہوئے خیالات ہوگا۔ لیکن اصطلاحاً ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جن خیالات کو ہم خود بخود نظر انداز کر دیتے ہیں اور اُن کی طرف کوئی دھیان ہی نہیں دیتے وہ (Repressed thoughts) کہلاتے ہیں اور اس کے برعکس جن خیالات کو ہم بھلانے اور فراموش کر دینے کی کوشش کرتے ہیں اُن کو (Suppresed thoughts) کہا جاتا ہے۔ گویا پہلی قسم میں مکمل بے شعوری ہوتی ہے اور دوسری قسم میں بے شعوری کے ساتھ کچھ نہ کچھ شعور بھی ضرور ہوتا ہے۔

---

[1] The Chaild and his upbringing ch. I

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ دبے ہوئے یا روکے ہوئے خیالات ہر انسان کے غیر شعوری ذہن کی تشکیل و تعمیر کرتے ہیں۔ سب کے سب اس قابل نہیں ہوتے کہ ایک صاحبِ شعور و فہم انسان اُن کا برملا اظہار کر سکے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر خیالات و محسوسات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ تنہائی میں بھی اُن کا تصور کرکے شرما جاتا ہے۔ لیکن بہر حال یہ محسوسات و تجربات زندگی میں مختلف شکلوں اور صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ فرائڈ۔ اڈلر اور ینگ کے نزدیک ان کا سب سے زیادہ مظاہرہ خواب میں ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ان ہی کو اَضغَاثُ اَحلَام یعنی خواب ہائے پریشان کہا گیا ہے۔

تحلیلِ نفسی کا عمل کرنے والے اصحاب جب کسی مریض کے غیر شعوری ذہن کا پتہ چلانا چاہتے ہیں تو مریض کے خوابوں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ خواب کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی ایک ماہر نفسیات کو غیر شعوری ذہن کے بہت کچھ مظاہر نظر آسکتے ہیں۔

عقدۂ دماغی اس سلسلے میں ایک لفظ (Complex) ہے جو عام طور پر کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اُردو میں ہم اس کا ترجمہ دماغی اُلجھاؤ۔ یا کشمکشِ ذہنی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے مُراد واضح نہیں ہوتی۔ ایچ۔ سی۔ ملر نے اپنی مشہور کتاب نفسیاتِ جدید اور روالدین" (The New Psycology) کے جس باب میں غیر شعوری اور دماغی ساخت پر بحث کی ہے۔ دماغی اُلجھن (Complex) کی تشریح ایک مثال کے ذریعہ اس طرح کی ہے کہ فرض کرو ایک خیال جس کو مثلاً ہم ایکس (x) کہہ سکتے ہیں کسی سبب سے دماغ کے شعوری حصہ کے لئے دردانگیز اور تکلیف دہ بن جاتا ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جب کبھی اس کا گذر ہمارے دماغ میں ہوتا ہے تو ہم کچھ نہ کچھ درد و کرب کا احساس ضرور ہوتا ہے اب یہ خیال دوسرے اسی قسم کے خیالات کی طرح، چند اور تخیلات کے مجموعہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ خیال درد انگیز ہے اس لیے ہم اس کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خیال کے ساتھ جو دوسرے خیالات مربوط اور وابستہ تھے وہ بھی کچلے جاتے ہیں اور اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ دماغ کے شعوری حصہ سے منتقل ہوکر غیر شعوری حصہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس طرح خیالات کا یہ پورا مجموعہ ایک عام ناخوش گوار ربط و وابستگی کا مرقع بن کر رہ جاتا ہے۔ پس جب تک ان خیالات کا تعلق دماغ کے شعوری حصہ سے رہتا ہے ان کو خیالات (Ideas یا Sentiments) کہتے ہیں اور جب یہ ایک عملِ ذہنی کے ماتحت شعوری حصہ سے منتقل ہوکر غیر شعوری حصہ میں آتے ہیں تو اب خیالات کا یہ مجموعہ Complex کہلاتا ہے۔ جس کو "دماغی وہم" یا "ذہنی اُلجھن" سے آپ اردو میں تعبیر کرسکتے ہیں۔

یہ "دماغی وہم" بظاہر بہت معمولی سی اور ناقابلِ اعتنا شئے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ اعمال و عواطف کی تشکیل و تعمیر میں اور عادات و اطوار کے ہموار و استوار کرنے میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔

آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ کسی خاص رنگ یا شکل و صورت سے خواہ وہ بذاتِ خود کتنی ہی بے ضرر اور معمولی ہو۔ غیر معمولی طور پر خوف کھاتے یا نفرت کرتے ہونگے آپ منطقی اور عقلی دلائل کے ذریعہ لاکھ سمجھایئے کہ اس چیز سے ڈرنا یا نفرت کرنا نہایت نامعقول بات ہے۔ وہ خود بھی اقرار کریں گے کہ ہاں دلیل تو ہمارے پاس بھی نہیں۔ لیکن آخر میں کہیں گے یہی کہ "معلوم نہیں کیوں! اس رنگ یا اس چیز سے ڈر بہت ہی لگتا ہے یا ہمیں اس سے شدید نفرت ہے" یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے ڈر یا نفرت کی وجہ معلوم نہیں ہے۔ لیکن ایک تحلیلِ نفسی کا ماہر دماغ کے غیر شعوری حصہ کا مطالعہ کرکے بتائے گا کہ یہ لوگ کس قسم کے وہم (Complex) کا شکار ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو ایک حقیر سی چیز سے خوف لگتا ہے یا وہ اس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔

یہ دماغی اُلجھاو عجیب و غریب چیز ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی کرشمہ سازیاں انتہائی حیرت انگیز ہیں۔ ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ (۱۸۵۶-۱۹۳۹) نے جب پہلے پہل غیر شعوری ذہن اور اس کی عجیب کارروائی کا انکشاف و اعلان کیا تو عام دستور کے مطابق لوگوں نے اُس کا مذاق اڑایا اور اُس کے نظریہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ تمسخر کیا۔ لیکن اُس نے ان لوگوں کی ذرہ پروا نہ کی۔ چالیس سال تک برابر وہ اپنے تجربات ومشاہدات سے لوگوں کو آگاہ کرتا رہا۔ آخر کار جہاں تک فرائڈ کے بنیادی نظریہ کا تعلق ہے دنیا نے اُس کی صداقت کو تسلیم کرلیا۔ اور آج حال یہ ہے کہ جدید نفسیاتی مباحث کی ساری بنیاد ہی اُس پر قائم ہے۔[1]

کومپٹن مکنزی Compton Makenzie نے اپنی کتاب (Rich Relatives) میں صنفی رجحانات سے متعلق دماغی اُلجھاؤ کی بعض بڑی دلچسپ مثالیں نقل کی ہیں جن کو پڑھ کر ہمارے آج کل کے بعض نوجوان اگر یہ کہہ بیٹھیں کہ "ارے دل یہ تو تیری داستان معلوم ہوتی ہے" تو کچھ عجب نہیں۔ جب کوئی شخص پاگل ہوکر اول فول بکنا شروع کردیتا ہے یا خواب میں سوتے سوتے بڑبڑانے لگتا ہے یا تیز بخار کے عالم میں اسے ہذیان شروع ہوجاتا ہے تو اس وقت اُس کا غیر شعوری ذہن اپنے بند خزانہ کا منہ کھول دیتا ہے اور وہ ایسی اَن کہی اور "اَن بوجھی" باتوں کا اظہار کرجاتا ہے جن کو اگر آپ بعد میں اُسے یاد بھی دلائیں تو وہ ہرگز اُن کا اقبال واقرار نہیں کرے گا۔

تین سال کی بات ہے۔ میرا ایک عزیز کالج کی چھٹیوں میں شدید گرمی کے موسم میں دہلی آیا اور میرے گھر آکر مقیم ہوا۔ بدقسمتی سے چند روز بعد وہ پاگل ہوگیا۔ اُسے انگریزی بولنے کا بہت شوق تھا عالم جنون میں وہ گھنٹوں انگریزی میں بولتا رہتا تھا۔ اور اس طرح اُس نے اپنے بچپن سے لے کر نوجوانی تک کے ایسے ایسے رنگین ودلچسپ واقعات وتاثرات بیان کردیے کہ اگر میں چاہتا تو اُن کی مدد سے اُس کا ایک افسانۂ حیات مرتب کرسکتا تھا۔ بہت کچھ علاج معالجہ کے بعد وہ اچھا ہوگیا تو میں نے اُس کو زمانۂ جنون کی کہی ہوئی بعض باتیں یاد دلائیں۔ جن پہ اُسے شرم تو بہت آئی۔ مگر وہ اُن کا اقرار نہ کرسکا اور مجھے یہ کہہ کر خاموش کردیا کہ بھائی! آپ جانتے ہیں ایک

---

[1] Depth Sycology and Education by Prof: A.V. Matthew Page 5.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاگل آدمی کی باتوں کا اعتبار ہی کیا ہو سکتا ہے؟

میں یہ جانتا ہوں کہ اُس نے . . . کار کرنے میں کسی تصنع سے کام نہیں لیا واقعی جو باتیں اُس کی زبان سے نکلیں وہ اُس کی قوت حافظہ میں موجود نہ تھیں مگر ساتھ ہی مجھکو اس کا یقین ہے کہ اُس نے جو کچھ کہا وہ ایک زمانہ سے خود اُس کے اپنے تجربات اور تاثرات تھے جن کو اُس کے دماغ کے غیر شعوری حصہ نے عقل و ہوش کے پہرہ داروں کی آنکھیں بند دیکھ کر زبانِ جنون سے بیساختہ ادا کر دیا تھا۔

ماحول کے اثرات

یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس کو ذہن نشین کرنے کے بعد یہ معلوم کرنا چاہیے کہ علمائے نفسیات کی تشریح کے مطابق یہ غیر شعوری ذہن ایک بڑی حد تک بچپن میں بلکہ پانچ سال کی عمر میں ہی تشکیل پا جاتا ہے[1]۔

ایک ننھا مُنا سا بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ زبان سے اپنے دل کی بات کہہ سکے۔ اُسے جب کوئی چیز مانگنی ہوتی ہے تو وہ ملتجیانہ نگاہوں سے ماں باپ کو دیکھنے لگتا ہے اور اگر ماں باپ کو اِس پر بھی توجہ نہیں ہوتی تو وہ رونا شروع کر دیتا ہے۔ اسے کھانے پینے اور بول و براز کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی۔ وہ اس کارگاہِ ہست و بود کے عام رسم و رواج سے بالکل بیگانہ ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ یہاں سردی سے کیوں کر حفاظت کی جاتی ہے اور گرمی کی اذیت کو کس طرح دور کیا جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں اور رسوم و آداب سے مکمل طور پر بے گانہ اور اجنبی محض ہونے کے باوجود وہ جس ماحول میں پرورش پاتا ہے اُس کے اثرات قبول کرنے کی اُس میں بڑی صلاحیت اور پوری استعداد ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ اپنے ماحول میں دیکھتا، سُنتا اور محسوس کرتا ہے اُس کے نقوش و تاثرات سب اُس کے دماغ کے غیر شعوری حصہ کے صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہوتے رہتے ہیں اور پھر یہ تاثرات اُس کے تمام اعضا اور قویٰ پر اثر انداز ہو کر اُس کی آئندہ عملی زندگی کا ایک دھندلا سا خاکہ تیار کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بچہ بڑا ہو کر وہی

---

[1] Psycology and Principles Education. P. 91.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان بولتا ہے جو اُس کے گھر میں بولی جاتی ہے اور اسی لب ولہجہ سے بولتا ہے جس لب ولہجہ سے گھر کے لوگ بولتے ہیں۔ اُس کے معتقدات اُس کے طور وطریق، اُس کے کھانے پینے کے آداب سب وہی ہوتے ہیں، جن کو وہ اپنے ماحول میں دیکھتا اور محسوس کرتا رہا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ بچوں میں نقل کرنے کی عادت بہت ہوتی ہے۔ یہ عادت کیوں ہوتی ہے؟ محض اُس تاثر کی وجہ سے جو انہیں اپنے ماحول سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں حال ہی کا ایک واقعہ ذیل دلچسپی کا باعث ہوگا۔

"گذشتہ موسم سرما میں صحرائے شام سے ایک انسانی بچہ پکڑا گیا جس کو اس اعتبار سے ہرن کا بچہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اُس کی پرورش صحرا کے ہرنوں کے درمیان ہوئی تھی۔ ایک عورت نے اُس کو اچھی طرح پہچان کر کہا کہ "یہ میرا بچہ ہے" اُس نے بیان کیا کہ "ایک مرتبہ میں دمشق اور بغداد کے درمیان صحرا کو اونٹ کے ذریعہ عبور کر رہی تھی کہ بچہ گم ہوگیا۔ میں نے اُس کی تلاش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی لیکن ناکام رہی۔" بچہ آج کل ہسپتال میں مشہور معالجوں کے سپرد ہے وہ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اُس کی بربریت ختم ہو اور وہ انسانوں میں رہ کر انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنا سیکھ جائے۔

ہرنوں میں پرورش پانے کی وجہ سے ایک انسانی بچہ کے امیال وعواطف کتنے بدل گئے ہیں؟ اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ اسی اطلاع میں مذکور ہے: "یہ بچہ اب بھی گھاس کھا کر خوش ہوتا اور ہرنوں کی ہی طرح حرکت کرتا ہے اور اُن ہی کی طرح بولتا بھی ہے۔ تاہم کچھ نہ ملنے پر بادلِ ناخواستہ کچا گوشت یا دوسری سبزیاں کھالیتا ہے۔ کسی پکی ہوئی چیز پر منہ نہیں ڈالتا۔ کبھی کبھی آدمیوں کی طرح بولنے کی بھی کوشش کرتا ہے مگر زبان صحیح لب ولہجہ پیدا نہیں کرسکتی۔

گرفتاری کے بعد سے یہ بچہ زیادہ موٹا ہونے لگا ہے اور وزن بقدر ستر پونڈ بڑھ گیا ہے تین مرتبہ وہ ہسپتال سے نکل بھاگا اور بمشکل ہاتھ آیا۔ ایک بار دو موٹر گاڑیوں نے اُس کا تعاقب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ اس کی رفتار تیس میل فی گھنٹہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی دوڑ سکتا ہے۔ بہر حال کوشش کی جا رہی ہے کہ اس کو کسی طرح انسان بنا لیا جائے۔"

(آج کل۔ مورخہ یکم دسمبر ۴۶ء)

اس خبر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ماحول بچہ کے بنانے یا بگاڑنے میں کتنا دخل رکھتا ہے۔ قدیم علمائے اخلاق میں ایک گروہ تھا، جو اخلاق کو ناقابلِ تغیر و تبدل بتاتا تھا۔ فلاسفۂ یونان میں جالینوس نے دو مختلف نظریوں کے درمیان اعتدال کی راہ پیدا کرنے کی کوشش کی تو اتنا لکھ سکا کہ دنیا میں بعض لوگ بالطبع اہلِ خیر ہیں اور بعض بالطبع اہلِ شر اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اُن میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت ہوتی ہے۔ لیکن فلسفۂ اخلاق کا طالب علم جانتا ہے کہ یہ مسلک نہایت کمزور ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ قدیم فلاسفۂ یونان جو ارسطا طالیس کی ہم نوائی کرتے تھے کہتے تھے کہ تعلیم و تادیب کے ذریعہ اشرار بھی اخیار ہو سکتے ہیں۔

جدید فلاسفۂ مغرب کا ایک گروہ جو نظریۂ کردار کا حامل ہے (Behaveouriot) وہ بھی اسی کا قائل ہے کہ کردار پیدا کیا جاتا ہے اور کسی سبب کا مسبب ہوتا ہے۔ وہ محض اتفاقی نہیں ہوتا۔[1]

اِس بنا پر ایک بچہ کی تعلیم و تربیت کے لیے سب سے مقدم یہ بات ہے کہ جس ماحول میں وہ پرورش پا رہا ہو اُسے درست رکھا جائے اور ہرگز یہ خیال نہ کیا جائے کہ اگر بچہ طبعاً شریر ہے تو ایک اچھا ماحول اُسے کیوں کر بہتر کر سکے گا۔ اس سلسلہ میں یہ لطیفہ دلچسپی سے سُنا جائے گا کہ نفسیات کی ایک کتاب (The Problem Child) کے مصنف (A. S. Neil) نے کتاب کو مکمل کر لینے کے بعد جب اُس کے پروف پڑھنے شروع کیے تو اُسے محسوس ہوا کہ اُس نے اپنی کتاب میں بچوں کی مشکلات پر بحث کی ہے۔ لیکن مشکل

---

[1] Depth Psycology and Education ch. I

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی بچہ کی تو ہوتی ہی نہیں۔ جو کچھ بھی دشواری ہوتی ہے وہ ماں باپ کی ہوتی ہے کہ وہ اسے کس ماحول میں تربیت دیتے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے محسوس کیا کہ اُس نے غلط کتاب لکھی ہے۔ چنانچہ "پانچ سال بعد" (The Problem Parent) کے نام سے اُس نے ایک اور کتاب تصنیف کی۔

خود قرآنِ مجید کی تصریحات و نصوص سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان میں نیک اور بد ہونے کی طبعی استعداد موجود ہوتی ہے اور اُس کا کیرکٹر یا کردار ماحول کے سانچہ میں ڈھلتا ہے۔ ارشاد ہے۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس)

اللہ نے نفسِ انسانی میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا ہے۔

ماحول کی اثر انگیزی کا تو یہ عالم ہے کہ انسان تو انسان غیر ذوی العقول پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ قرآن کی آیت ذیل میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا (الاعراف)

اور پاک زمین اپنے رب کے حکم سے سبزیاں اُگاتی ہے اور خراب زمین میں نکمی چیز کے علاوہ کچھ اور نہیں اُگتا۔

علاوہ بریں ایک صحیح حدیث سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے کہ بچہ کے بنانے یا بگاڑنے میں اُس کے ماحول کو کس قدر دخل ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه (المشكوٰة۔ باب الايمان بالقدر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت پر پیدا نہ ہوتا ہو۔ پھر اُس کے ماں باپ اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی کرتے ہیں یا مجوسی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کے ان لفظوں کو پیشِ نظر رکھ کر اب ذرا مشہور عالمِ نفسیات ینگ کا مندرجہ ذیل بیان ملاحظہ فرمائیے۔

"بچہ کی نفسیاتی زندگی کا بہت ہی تھوڑا حصہ آزاد ہے ورنہ حقیقت یہ ہے بہت کچھ براہ راست والدین سے ہی حاصل شدہ ہوتی ہے۔"[۱]

ایک حدیث میں ہے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک بچہ کے جنازہ پر تشریف لیجانے لگے تو حضرت عائشہؓ بولیں "اے رسول اللہ! یہ بچہ تو جنت کی چڑیا ہوگا کیوں کہ اس نے تو کوئی گناہ کیا ہی نہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اور اس کے سوا کیا! اللہ نے جنت کے اہل پیدا کیے ہیں اور وہ اپنے آبا کے اصلاب سے ہی جنت کے اہل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے دوزخ کے اہل پیدا کیے ہیں اور وہ صلبِ پدر سے ہی دوزخی پیدا ہوتے ہیں۔ مرآۃ مسلم۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی بچہ کے ایمان و کفر کے متعلق جزم و یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ ان دونوں میں وہ اپنے والدین کے ہی تابع ہوتا ہے۔

اہلِ علم بے خبر نہ ہونگے کہ یہ حدیث اور اسی مضمون کی بعض اور احادیث متکلمین و محدثینِ اسلام کے درمیان ایک عظیم نزاع کا باعث ہوئی ہیں اور اس مسئلہ پر کہ ایک بچہ کافر اگر مرجائے تو وہ جنت میں جائے گا یا دوزخ میں ایک عرصہ تک معرکہ آرائی رہی ہے۔ حالانکہ بات بہت معمولی سی تھی۔ حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اگر کوئی بچہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا اور بلوغ سے پہلے ہی مرگیا تو وہ جنت میں جائے گا اور اس کے برخلاف کافر کا بچہ دوزخ میں بھیجا جائیگا۔ کیونکہ جنت اور دوزخ کا استحقاق احکام شرعیہ سے مکلّف ہونے کے بعد ہوتا ہے اور ایک بچہ جب ابھی مکلّف ہی نہیں ہے تو اُس کی نسبت استحقاقِ جنت و جہنم کا کوئی سوال ہی کیوں کر ہوسکتا ہے۔

---

[۱] Analytical Psycology and Education Lecture II

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل چیز یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشادِ گرامی میں صرف اسی ایک حقیقت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ بچے کے مسلم یا کافر ہونے میں ایک بڑا دخل اس کا بھی ہے کہ اُس کے ماں باپ کیسے ہیں۔ وہ جس قسم کے ماں باپ کی گود میں پرورش پائے گا آئندہ چل کر ویسا ہی ہوگا۔ اس سے ہرگز کوئی بحث نہیں کہ اس وقت اُس کا حکم کیا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ینگ نے بھی اپنے ایک لکچر میں اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے "جس طرح ایک بچہ جب اپنی ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو اُس وقت وہ خود عملاً کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی ماں کے جسم کا ہی ایک حصہ ہوتا ہے اور اُس کی حالت تمام تر ماں کی حالت پر ہی موقوف ہوتی ہے۔ اسی طرح بچپن کے اوائل میں ایک بچہ کی نفسیاتی زندگی (Psyche) بہت بڑی حد تک مادری نفسیاتی زندگی پر ہی موقوف ہوتی ہے اور پھر علاوہ ہی چوں کہ اس فضا کے پیدا کرنے میں باپ بھی ماں کا شریک ہوتا ہے اس بنا پر بچہ کی نفسیاتی زندگی ماں اور باپ دونوں کی نفسیاتی زندگی کا جز ہو جاتی ہے[۱]۔

غور کیجیے حدیث میں اور ینگ کے بیان میں صرف معنوی مشابہت ہی نہیں طرزِ تعبیر بھی قریب قریب یکساں ہے۔ اسی وجہ سے ینگ کے ایک شارح نے ینگ کے ان الفاظ کو الہامیانہ (Intuitive) اور شاعرانہ (Poetic) کہا ہے[۲]۔

(باقی آئندہ)

---

[۱] Analytical Psycology and Education Lecture I

[۲] Depth Psycology and Education. P. 26.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبصرے

حقائق الاسلام حصہ اول۔ از جناب مولوی حافظ محمد سرور صاحب کوہاٹی۔ تقطیع خورد ضخامت ۲۴۴ صفحات۔ کتابت وطباعت متوسط۔ قیمت عہ پتہ دفتر جماعت اسلامیہ نزد محلہ جمعہ خاں شہر کوہاٹ۔ صوبۂ سرحد۔

لائق مصنف نے مسلمانوں کی عام زبوں حالی اور اُن کے عملی واخلاقی انحطاط سے متاثر ہوکر انہیں صحیح معنی میں مسلمان بنانے کی غرض سے چار حصوں میں ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے جس کا پہلا حصہ ہمیں بغرض تبصرہ موصول ہوا ہے۔ اس کتاب کے تمام مباحث کا لبِ لباب اور مدارِ بحث یہ امر ہے کہ اصل اسلام اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کا نام ہے۔ اگر یہ چیز معدوم ہے تو خواہ کوئی شخص زبان سے اپنے آپ کو کیسا ہی مسلمان کہے وہ مسلمان نہیں ہے

جہاں تک اعمال واخلاق کی اہمیت وضرورت کا تعلق ہے کوئی مسلمان اُس سے انکار نہیں کرسکتا انبیائے کرام کی بعثت اور اُن کی تعلیم وارشاد کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ وہ لوگوں میں اتباع ہوی کے بجائے حکم خداوندی کے امتثال وتعمیل کا جذبہ پیدا کریں اور دراصل یہی امتثال وتعمیل اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ کا دوسرا نام ہے لیکن اس میں غلو کرکے یہ کہنا مسلکِ صحیح کے خلاف ہے کہ "ایمان اور عمل ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں۔ اس بنا پر اگر عمل ہے تو ایمان بھی ہے اور اگر عمل نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے" (ص ۱۴۱) مصنف نے ایک آدھ جگہ نہیں بلکہ بار بار اور بڑے زور کے ساتھ اپنے اس خیال کو دہرایا ہے کہ "قیامت میں جس چیز کو تولا جائے گا وہ کوئی اسلامی عقیدہ نہیں ہوگا بلکہ اعمال واخلاق ہوں گے" (ص ۳۶) جیسا کہ اربابِ علم کو معلوم ہے یہ مسلک خوارج کا ہے کہ اُن کے نزدیک فقدانِ عمل سے فقدانِ ایمان لازم آتا ہے۔ احادیث سے قطع نظر قرآن مجید کی بہت سی آیات ہیں جن میں فقط ایمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ذکر ہے اور عمل کا نہیں۔ اُن سے خوارج کے اس عقیدہ کی قطعی تردید ہوتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ایمان اور عمل جس طرح لغۃً ایک نہیں ہیں شرعی اصطلاح کے مطابق بھی دونوں بعینہٖ ایک نہیں۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور عمل کا جوارح سے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ بغیر عمل کے ایمان بہت ہی مضمحل اور کمزور ہو جاتا ہے اور اس بنا پر بدعملی کے لیے قرآن میں جو وعیدیں مذکور ہیں وہ بھی قیامت میں اُس پر مرتب ہونگی لیکن بایں ہمہ یہ سمجھنا کہ عمل کے بغیر ایمان مطلقاً پایا ہی نہیں جاتا قرآنِ مجید کے نصوص صریحہ کے بالکل خلاف ہے ورنہ پھر منافق، فاسق اور فاجر وغیرہ یہ سب الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں اور دنیا میں صرف دو ہی طبقات رہ جاتے ہیں ایک مومن اور دوسرا کافر اپنے اس بنیادی خیال کی توضیح و تشریح کے سلسلہ میں مصنف نے علمائے سلف اور احادیث کے ساتھ اُن کے اعتنا و اہتمام پر بھی بہت لے دے کی ہے اور اس کو ہی مسلمانوں کے انحطاط کا سبب بتایا ہے، حالانکہ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط کا اصل باعث احادیث کے ساتھ اعتنا و اہتمام اور ایمان و عمل کے درمیان تفریق نہیں بلکہ عملاً قرآنی تعلیمات سے روگردانی اور انحراف ہے، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں بتائی جا سکتی اور کسی امام کا کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے ایک بدعمل انسان کو اپنی بدعملی کیلئے کوئی سہارا مل سکے۔ رہیں بہانہ جو طبیعتیں تو وہ جس طرح احادیث اور ائمہ کے اقوال کا سہارا لے سکتی ہیں قرآن کی آیات کو بھی اپنے حق میں توڑ مروڑ سکتی ہیں اور ایمان و عمل کے ایک ہونے کے بعد بھی بدعملی کر سکتی ہیں۔ بہرحال مصنف نے جس جذبہ سے یہ کتاب لکھی ہے وہ قابل قدر اور لائقِ تحسین ہے اور اس میں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن سے مسلمان عبرت و بصیرت اور پند و موعظت حاصل کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد علیؒ کے یورپ کے سفر

مرتبہ، پروفیسر محمد سرور تقطیع خورد ضخامت ۲۰۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت عہ ۔ پتہ ادارہ ادبیات نو لاہور۔

مولانا محمد علی مرحوم اُن اکابر قوم میں سے تھے جن کے قلم سے نکلی ہوئی ایک ایک سطر اُن کی موت کے بعد قومی سرمایہ کی حیثیت سے محفوظ رکھی جاتی ہے۔ مولانا نے یورپ کا سفر چھ مرتبہ کیا تھا، اس کتاب میں ان سفروں سے متعلق خود مولانا کے خطوط اور بعض تحریریں جمع کر دی گئی ہیں۔

مولانا کی تحریر کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت پُرقلم تھے اور جو بات لکھتے تھے بے لاگ ہو کر لکھتے تھے

© rasailojaraid.com